© rasailojaraid.com

التفسیر: مجلس تفسیر، کراچی جلد:۹، شمارہ:۲۵، جنوری تا جون ۲۰۱۵ء

اردو کے نسائی ادب کا معتبر حوالہ۔خاتون اکرم

ڈاکٹر داؤد عثمانی
لیکچرار، بلدیہ گورنمنٹ کالج، کراچی

Abstract

The article deals with the introduction and Literary contribution of one of the prolific representative woman writer of her age Khatoon Akram (1900-1924). She was married to Rashid ul Khairi's son and author Raziq ul Khairi.Though she died at an early age, her work deals with almost all of the issues women of Sub Contitnent were facing at that time.

Considered as versatile writer by same of the famous critics, her writings captured the attention of the readers and critics. She is one of there that women writers who paved the way for Urdu short stories and essays.

The article concludes that despite appreciation and admiration by writers like Munshi Prem Chand,Sajad Haider Yaldrum, Rashid ul Khari, Aziz Lakhnavi and many others proper acknowledegment and attention was not given to her in urdu feminine Literature.

Key words: Urdu Feminine Literature, Khatoon Akram,Short Story.

خاتون اکرم اردو کے مشہور و معروف ادیب اور مصورِ غم علامہ راشد الخیری کی بہو اور ان کے فرزندِ اکبر نامور مصنف و مدیر رازق الخیری کی پہلی شریک حیات تھیں۔خاتون اکرم جھانسی کے شاعر و انشاء پرداز ڈاکٹر عبد الغفور مطیؔر کے گھر ۱۷/نومبر ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئیں (۱)۔۲۸/دسمبر ۱۹۲۲ء میں ان کا نکاح رازق الخیری سے ہوا اور ۲۶/فروری ۱۹۲۳ء کو دلہن کی حیثیت سے دہلی آئیں (۲) ایک سال قریب نو ماہ کی بیاہی ۱۴۔۱۵ نومبر/۱۹۲۴ء کی درمیانی شب ۲۴ سال کی عمر میں اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئیں (۳) جن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے متعلق عزیز لکھنوی نے لکھا تھا:

باغ اردو میں ہے تازہ رات دن تیری بہار
تو نہیں ہے لیکن افسانے ہیں تیرے یادگار (۴)

خاتون اکرم اردو کی دنیائے نسواں میں ایک اہم نام تھا، جن کی شادی کے موقع پر مبارکباد دیتے ہوئے سید سجاد حیدر یلدرم نے علامہ راشد الخیری کو اپنے ایک تار میں لکھا:

''آپ نے ہندوستان کا ہیرا منتخب کیا ہے۔'' (۵)

خاتون اکرم نے سترہ سال کی عمر میں افسانہ نویسی اور مضمون نگاری شروع کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عورتوں کا نام دوسروں کی زبان پر آنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے وہ کبھی ہمشیرہ احسن الغفور اور کبھی مس مطیّر کے نام سے لکھتی تھیں۔ پھر بعد میں اپنا اصلی نام لکھنے لگیں۔ ان کے مختصر افسانے اور مضامین، اخبار تہذیب (لاہور)، عصمت (دہلی)، شباب اردو (لاہور)، استانی (دہلی) وغیرہ میں شائع ہوتے تھے۔ ان کی قابلیت اور انشاء کی اس وقت کے بہت سے مشاہیر اور مستند ادباء اور شعراء نے داد دی تھی۔ (۶) مثلاً علامہ راشد الخیری اپنی بہو کے متعلق لکھتے ہیں:

''رازق دلہن مرحومہ کی سعادت مندی اور فرض شناسی کے متعلق بہت کچھ لکھ چکا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے ''شام زندگی''، ''شب زندگی'' میں جو نسیمہ لکھی، خدا نے مجھ کو وہ اپنی آنکھ سے دکھا دی۔۔۔۔ وہ مبارک وقت جلد آئے جب مسلمانوں میں سینکڑوں خاتون اکرم جیسی بچیاں پیدا ہوں۔'' (۷)

ان کی کتاب زندگی کی چند سطریں منشی پریم چند کی زبانی سنیے:

''محترمہ خاتون اکرم مرحومہ کی کتابیں پڑھ کر ان کی ادبیت سے زیادہ ان کی شخصیت کا اثر ہوا۔ اچھی کہانیاں لکھنے والی تو اور دیویاں بھی ہیں لیکن ایسی مثالیں بہت کم نظر آتی ہیں جن کے قول اور عمل میں مناسبت ہو۔ جو کچھ دوسروں کو سکھاتی ہوں، خود بھی اس پر چلتی ہوں۔۔۔۔ خاتونِ اکرم صاحبہ کی زندگی قدیم اور جدید معیار حیات کا نہایت متناسب اتحاد بھی تھی۔ ان میں خدمت کی لگن ہے۔ قربانی کی تمنا ہے اور تحمل اور سعی کی دیوی ہیں۔ مسلم خواتین کی ساری خوبیاں ان میں مجتمع ہو گئی ہیں۔ (سسرال کے) پونے دو سال میں جس ہستی نے علامہ راشد الخیری کے قلم سے یہ خراج حاصل کیا۔ جس کی ہر ادا نے میرا دل مسخر کر لیا۔ میرے گھر میں چار دن کی چاندنی تھی۔ میں دیکھتا تھا اور دنگ رہ جاتا تھا کہ وہ ایک طرف مغرب کے مشاہیر پر رائے زنی کر رہی ہے تو دوسری طرف جامیؔ، سعدیؔ، اور خسروؔ پر بے باکانہ گفتگو۔ وہ غیر معمولی دل و دماغ کی خاتون تھیں۔'' (۸)

خاتون اکرم صرف اردو کی کامیاب انشاء پرداز و عالمہ فاضلہ ہی نہ تھیں وہ فارسی میں بھی اچھی دستگاہ رکھتی تھیں۔ گلستان بوستان پندرہ سال کی عمر میں ختم کرنے کے بعد فارسی نثر کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ فارسی لٹریچر پر آزاد و شبلی کی تمام کتابیں ان کی نظر سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گذریں۔حافظ کے اشعار،خیام کی رباعیاں ان کے نوکِ زبان پر رہتی تھیں اور ہندی بھی خوب جانتی تھیں۔(۹)

خاتون اکرم کے مختلف رسائل میں شائع ہونے والے مضامین اور افسانے ان کی رحلت کے بعد کتابی صورت میں شائع ہوئے ان کے مضامین کا مجموعہ''جمالِ ہم نشیں'' کے نام سے دسمبر۱۹۲۷ء سے شائع ہوا جس میں ۲۰ مضامین شامل ہیں۔دوطویل مختصر افسانے''پیکر وفا'' اور''بچھڑی بیٹی'' پہلے رسائل میں شائع ہوئے پھر ۱۹۲۸ء میں علیحدہ علیحدہ کتابی صورت میں بھی منظر عام پر آئے۔ان کے گیارہ مختصر افسانوں کا مجموعہ''گلستان خاتون''،۱۹۳۱ء میں طبع ہوا۔یہ چاروں کتابیں عصمت بک ڈپو،دہلی سے شائع ہوئیں۔

بحیثیت افسانہ نگار

خاتون اکرم کا شمار اردو کی اوّلین افسانہ نگار خواتین میں ہوتا ہے۔ان ابتدائی افسانہ نگار خواتین میں عباسی بیگم،نذر سجاد حیدر،آصف جہاں اور انجمن آراء کے نام شامل ہیں۔جن کی افسانہ نگاری کا آغاز ۱۹۱۵ء میں ہوا،جب کہ خاتون اکرم نے سترہ سال کی عمر میں افسانہ نویسی کا آغاز کیا ان کا پہلا افسانہ ماہنامہ''عصمت'' میں''جدت پرست'' کے عنوان سے ۱۹۱۷ء میں منظر عام پر آیا اور آخری افسانہ''دوسری شادی'' بھی اسی رسالے میں اکتوبر۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔

خاتون اکرم اردو کی وہ افسانہ نگار خاتون ہیں جن کا سب سے پہلے مجموعہ شائع ہوا یہ مجموعہ''گلستان خاتون'' کے نام سے پہلی بار ۱۹۳۱ء میں اور تیسری بار ۱۹۴۰ء میں اشاعت پذیر ہوا۔اس مجموعے میں ان کے گیارہ افسانے''شہید ظلم''،''سچ کی فتح''،''انوکھی توبہ''،''بالائی آمدنی''،''آرزوؤں پر قربانی''،''تربیت اولاد''،''طرز زندگی''،''انقلاب زمانہ''،''جدّت پرست''،''مرغ کی کہانی'' اور''دوسری شادی'' شامل ہیں۔

یہ تمام افسانے معاشرتی واز دواجی زندگی کی اصلاح،طبقۂ نسواں کی اخلاقی درستگی وتحفظِ حقوق اور تربیت اولاد کے نقطۂ نظر سے تخلیق کیے گئے ہیں اور ساتھ میں مشرق پر مغربی تہذیب کے اثرات اور رسوم باطلہ کی خرابیوں کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔

''شہید ظلم'' اس افسانے میں خاتون اکرم نے زبردستی کی شادی کو موضوع بنا کر خلع جیسے اہم مسئلے کو اجاگر کیا۔جس میں یہ دکھایا ہے کہ ازدواجی تعلقات میں اگر کوششوں کے باوجود بہتری کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو علیحدگی اختیار کر لینی چاہیے۔بصورت دیگر صرف شوہر بیوی سے ناخوش ہے اور بیوی کی تمنا ہے کہ اسی کے ساتھ اپنی زندگی کاٹ دے تاہم ایسی حالت میں ازدواجی زندگی کامیاب نہیں ہوسکتی ان حالات میں عورت کو خلع دلوا دینا چاہیے۔جس کی شریعت میں اجازت ہے تا کہ وہ بیوی کے حقوق سے بے خبر شوہر سے رہائی حاصل کر کے پرسکون زندگی بسر کر سکے۔

> ''خدا کے لیے بیکس و بے بس عورتوں پر ترس کھاؤ۔ان کی حالت زار پر رحم کرو،اور خلع کے لیے کوشش کرو۔
> اس کو رواج دو۔''(۱۰)

''سچ کی فتح'' مولوی مشتاق احمد اور حمیدہ کی ازدواجی زندگی کی کہانی ہے۔جو حقوقِ نسواں اور اصلاح پسندی کے نقطہ نظر سے تحریر کی گئی ہے۔مولوی مشتاق احمد کے نزدیک عورت میں وفا نام کی کوئی چیز نہیں۔اس کے برعکس حمیدہ کو ایک شوہر پرست بیوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔والدین کی وفات کے بعد ایک دن مولوی مشتاق احمد اپنے خیالات کی رو میں بہہ کر حمیدہ کو بغیر بتائے اسے سوتا چھوڑ کر شہر سے چلا جاتا ہے۔حمیدہ اس کی جدائی اور انتظار میں بڑے برے دن کاٹتی ہے۔ایک دن وہ بھی شہر چھوڑ کر کلکتہ روانہ ہوتی ہے جہاں حالات سے تنگ آ کر خودکشی کی ناکام کوشش کرتی ہے۔جس کے جرم میں کورٹ اسے قیدِ سخت کی سزا سناتی ہے۔حالات کی ستم ظریفی دیکھیں کہ جس کی بدولت وہ اس حالت تک پہنچی تھی سزا بھی اس کے قلم سے ہوئی۔جس سے اس کا اس وقت سامنا ہوتا ہے۔جب وہ جیل خانے کے دورے پر جاتے ہیں تو جیل خانے کا داروغہ یہ کہتے ہوئے جج صاحب کی توجہ مظلومہ کی طرف کراتا ہے۔(کیونکہ حمیدہ کورٹ میں چہرہ چھپائے مظلومہ کے نام سے پیش ہوئی تھی)

''حضور اس عورت نے ایک تصویر اپنے پاس چھپا رکھی تھی۔کل ہم لوگوں نے دیکھی اور اس سے لے لی۔ جس کے لیے وہ بہت چیخی چلائی اور کہتی رہی کہ اس تصویر کو مجھے دے دو یہی میری زندگی کا سہارا ہے۔وہ تصویر ابھی تک میرے پاس ہے۔اب جیسا حکم ویسا کیا جائے۔''(۱۱)

جج صاحب کے مانگنے پر جب وہ تصویر انہیں دکھائی جاتی ہے تو وہ چلا کر کہتے ہیں:

''مظلومہ!نہیں۔نہیں۔محمودہ! آہ میری پیاری۔وفادار۔محبت شعار بیوی محمودہ!(۱۲)

اس وقت وہ اپنی ذہنیت کو کہ عورت وفادار نہیں ہوتی،تبدیل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اس کے دل پر یہ نقش بیٹھ جاتا ہے کہ بیوی کے دل میں اپنے شوہر کی طرف سے کتنی لاانتہا محبت ہوتی ہے حتیٰ کہ جسے شوہر کے بڑے مظالم،بڑی سے بڑی نفرت اور حقارت اور ہتک آمیز برتاؤ بھی کم نہیں کرسکتا۔ان کی زندگی کا واحد مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ اسی کی پرستش کرتی رہیں۔

''انوکھی توبہ'' سر رابندر ناتھ ٹیگور کے بنگالی افسانے کا ترجمہ ہے جو عورت کی وفاداری اور شوہر پرستی پر مبنی ہے۔جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک بداخلاق شوہر کی وفاشعار بیوی کس طرح اپنے خاوند کے رویوں سے پیدا ہونے والے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو سلجھاتی ہے۔یہاں تک کہ اپنے والدین کے گھر اس کی چوری تک کا الزام اپنے سر لیتی ہے۔

''آرزوؤں پر قربانی'' ایک ایسی ضدی اور ناعاقبت اندیش ماں کی کہانی ہے جس نے نند اور بھاوج کے منع کرنے کے باوجود اپنی چھوٹی بچی کو صرف روزہ کشائی کی تقریب کے لیے روزہ رکھوایا اور خود روزے کے دن بچی سے بے خبر چار پانچ سو مہمانوں کے افطار میں لگی رہی۔افطار کے وقت جب بچی کا خیال آیا جا کر ڈھونڈا تو دیکھا کہ وہ کمرے میں صراحی پر منہ رکھے بے جان پڑی ہے۔اس نے ماں کے منع کرنے پر پانی کی ایک بوند گلے سے نہیں اتاری اور اس کے ارمانوں اور آرزوؤں پر قربان ہوگئی۔

''تربیت اولاد'' میں یہ واضح کیا ہے کہ بعض بچوں کا شریر،ضدی،حریص اور نافرمان ہونا،والدین کی تربیت پر منحصر ہے۔تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔کہانی میں پہلے بچے کی بدتہذیبی،بدتمیزی اور تربیت نہ ملنے کی وجہ سے،لڑائی جھگڑے کا صحیح نقشہ کھینچ کر ماں کی جہالت کو پیش کیا گیا ہے۔اور پھر اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ بچے کی تربیت چھوٹی عمر سے شروع ہو جانا ضروری ہے۔اس کے لیے سب سے پہلے بچے کو اطاعت کا سبق پڑھانا چاہیے۔

''طرزِ زندگی'' ایک سبق آموز افسانہ ہے جس میں اس معاشرتی مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ ازدواجی تعلقات میں تمدن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اختلافاتِ خیالات کبھی خوشگوار زندگی کا باعث نہیں بن سکتے۔ افسانے کی ہیروئن ساجدہ جو غیر تعلیم یافتہ پرانے خیالات کی لڑکی ہے۔ اس کی شادی ایک روشن خیال، اعلیٰ تعلیم یافتہ ڈپٹی کلکٹر حامد سے ہوتی ہے۔ دونوں کے خیالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پھر اس طرح کی شادی کا جو نتیجہ ہوسکتا تھا، وہی ہوتا ہے۔ حامد اس کی قدامت پسندی سے تنگ آ کر دوسری شادی کر لیتا ہے۔ مگر ساجدہ کی سوکن ناصرہ نیک اور شریف لڑکی ہے۔ وہ ساجدہ کو بڑے ہی موثر انداز میں سمجھاتی ہے کہ اگر تم شوہر کی محبت چاہتی ہو تو اس کی اطاعت کرو اور اس کے مزاج کے مطابق زندگی بسر کرو۔

''انقلاب زمانہ'' سوتیلے پن کی دردانگیز کہانی ہے۔ جس میں یہ دکھایا ہے کہ ایک سوتیلی ماں کس طرح بن ماں کی بچی پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتی ہے۔

''مرغ کی کہانی'' ایک سبق آموز افسانہ ہے۔ جس میں آزادی اور غلامی کے فرق کو واضح کرتے ہوئے بیوی کے حقوق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

''دوسری شادی مذاق'' ہر ایک سے وقت بے وقت کے مذاق پر ایک سبق آموز واقعہ ہے۔ جس میں اس طرح کی عادت کے نقصانات بیان کیے گئے ہیں۔ افسانے میں زرینہ جو ایک مذاق کی شوقین بیوی ہے۔ اس کے مذاق مذاق میں میاں سے تعلقات کشیدہ ہو جاتے ہیں۔ جس کی نوبت شوہر کی دوسری شادی تک جا پہنچتی ہے۔

خاتون اکرم نے اپنے افسانوں میں عورت کی صرف اچھائیوں پر روشنی نہیں ڈالی بلکہ اس کی کمزوریوں کو بھی موضوع بنایا ہے۔ اور یہ دکھایا ہے کہ وہ خود اپنے ہاتھوں کس طرح برباد ہو رہی ہے۔

''بالائی آمدنی'' جس میں نور جہاں مغرب کی تقلید میں اپنے بڑھتے ہوئے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے شوہر کو بالائی آمدنی حاصل کرنے پر مجبور کرتی ہے جس کی آگے چل کر اسے سخت سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ اس طرح **''جدّت پرست''** میں ایسی عورت کو پیش کیا گیا ہے جو غرور اور فیشن پرستی میں اس قدر غرق رہتی ہے کہ وہ اپنے فرائض تک بھول جاتی ہے۔

اس مجموعے کے علاوہ خاتون اکرم کے جو دو طویل مختصر افسانے ''پیکر وفا'' اور ''بچھڑی بیٹی'' دو علیحدہ کتابی صورت میں شائع ہوئے۔ ان میں **''پیکر وفا''** ان کے بیشتر افسانوں کی طرح عورت کی مظلومیت، شوہر پرستی اور وفاداری کی کہانی ہے۔ جس میں ایک بیوی شوہر کے ظلم و ستم سہنے کے باوجود اپنے دل میں اس کے لیے ہمیشہ محبت کے جذبات قائم رکھتی ہے۔

افسانے کی ہیروئن سعیدہ جو ایک صاحب ثروت گھرانے کی اکلوتی سمجھ دار اور سلیقہ مند لڑکی ہے اور اس کا شوہر ظفر جو ایف۔ اے۔ میں بار بار فیل ہو رہا ہے۔ جس کا ذریعہ معاش کوئی نہیں، سوائے باپ کی وراثت میں ملے ایک چھوٹے سے گاؤں سے آنے والے چالیس روپیہ ماہوار کی آمدنی۔ اسے بھی آگے چل کر بیچ کھاتا ہے اور سعیدہ کو اس کے حقوق سے بھی محروم رکھتا ہے اور بات بھی بہت کم کرتا ہے۔ بعض اوقات تو دو دو دن تک بات کرنے کی نوبت نہیں آتی۔ اس کے برعکس سعیدہ ہر وقت اس سے بات کرنے کے بہانے تلاش کرتی رہتی ہے۔ ظفر کی بے رخی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے ساس سسر کے انتقال پر بھی نہیں جاتا۔ ایک دن ظفر ولایت جا کر ڈاکٹری پڑھنے کے لیے سعیدہ سے روپیہ طلب کرتا ہے۔ مگر وہ شوہر کی جدائی اور پردیس کی تکالیف کے سبب انکار کر دیتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے تو ظفر چپکے سے اس کے زیور چرا کر ولایت چلا جاتا ہے۔ وہاں جا کر اس نے کبھی بیوی کی خبر نہ لی اور خط لکھا تو اس وقت جب اسے روپوں کی ضرورت پیش آئی۔ وفا شعار اور خدمت گذار بیوی ہر دفعہ روپیہ بھیجتی رہی۔ لیکن ظفر اسے اس کی خدمت وایثار کا یہ صلہ دیتا ہے کہ وہ ولایت سے سول سرجن بن کر لوٹتا ہے تو اپنے ساتھ میم لا کر علیحدہ رہائش اختیار کر لیتا ہے۔ سعیدہ یہ صدمہ نہیں سہہ سکتی اور اس قدر بیمار پڑ جاتی ہے کہ زیست کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ ظفر اس حالت میں بھی سعیدہ کی خواہش پر ایک نظر دیکھنے تک نہیں آتا۔ سعیدہ اپنی سہیلی اور ملازم کی تیمارداری سے صحت یاب ہو جاتی ہے۔

اس طرح ظفر بھی ایک دن بیمار پڑ جاتا ہے۔ میم صاحبہ کو ان کی ضروریات کے لیے پیسے نہ ملنے کی وجہ سے اس کی کوئی پروا نہیں رہتی اور وہ ظفر کو بیمار چھوڑ کر مہاجن سے شوہر کے نام پر روپیہ لے کر اس کے قرض میں مزید اضافہ کر کے ولایت چلی جاتی ہے۔ پھر بروقت قرض کی عدم ادائیگی پر آخر نالش ہوتی ہے۔ اس وقت جب اس کی عزت خاک میں ملنے والی ہوتی ہے تو ایک بار پھر وفا شعار بیوی بے وفا شوہر کے لیے روپیہ کا بندوبست کر دیتی ہے۔

افسانے میں جہاں مردوں کے مظالم اور عورتوں کے صبر واستقلال اور وفا کو دکھایا گیا ہے۔ وہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ آج اگر ہم کسی کی محبت اور وفا کا احترام نہیں کرتے تو کل ہم بھی کسی کی نفرت اور بے وفائی کا نشانہ بن سکتے ہیں۔

''بچھڑی بیٹی'' ایک سبق آموز کہانی ہے۔ جو ایسی ماں کے گرد گھومتی ہے جس کی اکلوتی بیٹی اس سے اس وقت بچھڑ جاتی ہے جب وہ ریل سے اپنے میکے شادی میں شرکت کے لیے جا رہی تھی۔ ماں سے بیٹی کی جدائی کے اس قصے کو خاتون اکرم نے بڑے ہی دردانگیز پیرائے میں بیان کیا ہے:

> ''اپنا گھر اب اسے کاٹنے کو دوڑتا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے لیٹتے ہر جگہ اور ہر مقام پر اس کو شکیلہ یاد آتی اور اس کی آنکھیں خونِ جگر سے لبریز ہو جاتیں۔ اس کی چیزیں دیکھتی اور کہتی۔ ''ہائے کتابیں ہیں اور پڑھنے والی نہیں۔ آہ کپڑے ہیں مگر پہننے والی نہیں۔ گڑیاں رکھی ہیں اور کھیلنے والی نہیں۔''۔۔۔ آفتاب نکلا اور غروب ہوا، ماہتاب، آفتاب بن کر طلوع ہوا اور بدر بن کر ڈوب گیا۔ جاڑے سے گرمی اور بہار سے خزاں آئی مگر شکیلہ نہ ملنی تھی نہ ملی۔''(۱۳)

خاتون اکرم کے افسانوں کے پلاٹ پیچیدہ یا غیر منظم نہیں بلکہ سادہ ہیں جو اس وقت کے ہندوستانی گھرانوں کی روزمرہ زندگی پر مبنی ہیں۔ جو اختصار، سادگی اور سلسلہ وترتیب کے لحاظ سے کامیاب ہیں۔ جن میں انھوں نے بے جا طوالت اور وسعت سے گریز کرتے ہوئے اختصار سے کام لیا ہے۔ جو اپنی عمدہ کردار نگاری سے زندگی کے اتنے قریب ہیں کہ وہ اصلی اور حقیقت پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ اور جیتے جاگتے چلتے پھرتے انسان نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ قاری کے دل میں اپنے لیے رفاقت وانس کا جذبہ بھی پیدا کرتے ہیں۔

افسانے میں جہاں پلاٹ کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے وہاں کردار نگاری کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جسے وہی افسانہ نگار اپنی تخلیقات میں خوبی سے بیان کر سکتا ہے جو مشاہدے کے ساتھ وسیع مطالعہ اور کردار کی نفسیات سے آگاہ ہو۔ یہ خوبی خاتون اکرم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے افسانے ''پیکر وفا'' کی حمیدہ، ''بچھڑی بیٹی'' کی ساس اور ''آرزوؤں پر قربانی'' کی ماں اور بعض دیگر افسانوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان کے تمام افسانے نسوانی جذبات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جو ان کے صنف نازک کے متعلق گہرے نفسیاتی مطالعے کا نتیجہ ہیں۔ ان کے کردار کے مکالمے تصنّع سے دور اور فطرت کے قریب ہیں اور بے جا رنگینی اور طوالت سے پاک۔ اگرچہ ان کا طرز نگارش ایسا نہیں کہ وہ علیحدہ پہچانا جاسکے مگر انھوں نے جو اسلوب اختیار کیا وہ بھی لائق تحسین ہے۔ جن میں زبان کی سادگی، چھوٹے چھوٹے فقرے، قصے کی روانی، خوب صورت استعارے اور شاعرانہ تشبیہیں موجود ہیں۔ مثلاً:

''یہ ایسی سبز قدم آئیں کہ گھر ہی سنسان کر دیا۔'' (۱۴)

''شوہر کی محبت اور ماں باپ کی الفت برابر نہیں ہوسکتی۔'' (۱۵)

''گھر میں چھوڑ کر آئے تو مشکل، ساتھ لیے پھرے تو جگ ہنسائی، زرینہ کی حالت دیکھی۔ پژمردہ، دن کا کھانا نہ رات کی نیند، سر میں کنگھی نہ بالوں میں تیل، کپڑے چوہوں کی سی رنگت میلے چیکٹ، سر میں درد، چہرہ زرد، بیماروں کا سا ہڈرا، مردوں کی سی صورت، نہ باتوں میں ظرافت رہی نہ گفتگو میں لطافت، باتیں کرو تو سینس نہیں، سمجھا تو اثر نہیں۔'' (۱۶)

''وہ تھی اور دن رات کا رونا، وہ تھی اور شمع کا جلنا۔'' (۱۷)

''وہ حسن آرا تین برس کی تھی، کسی نیک و بد، برے بھلے کی تمیز نہ رکھتی تھی۔ حیات وموت کے مسئلے کو نہ جانتی تھی۔ اسے یہ بھی نہ معلوم تھا کہ مرنا کس کو کہتے ہیں اور موت کس بلا کا نام ہے۔ ایسی کم سنی و بےفکری کے زمانے میں جب کہ ننھی حسنا ابھی اچھی طرح شفقت مادری کا لطف بھی نہ اٹھانے پائی تھی اس کی عاشق زار ماں نے اپنا دست شفقت اس پر سے اٹھالیا اور اسے تنہا چھوڑ کر خود عالمِ بالا کو سفر کر گئی۔ غریب حسنا بن ماں کی ہو کر دوسروں کے مظالم سہنے کو دنیا میں رہ گئی۔'' (۱۸)

یہ افسانے معاشرتی زندگی کی درستگی، اصلاح نسواں اور حقوق نسواں کی حمایت، باہمی فرائض سے واقفیت اور خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنے کے نقطۂ نظر سے لکھے گئے ہیں جو پلاٹ اور کردار، قصے کی روانی، زبان و بیان، جذبات و واقعات نگاری کی خوبیوں سے آراستہ ہیں۔ لیکن بعض مقامات پر اصلاحی و معاشرتی مقاصد کے تحت خاتون اکرم افسانے کی فنّی حدود سے تجاوز کر گئی ہیں۔ جو شاید علامہ راشد الخیری کے زیر اثر ہونے کا نتیجہ ہو کیونکہ وہ بھی اکثر مقامات پر مقصدیت کو فن پر ترجیح دے جاتے ہیں۔ اس عہد کی اکثر خواتین مثلاً عباسی بیگم، نذر سجاد حیدر، محمودہ بیگم اور محترمہ طیبہ بیگم وغیرہ نے بھی علامہ راشد الخیری کے زیر اثر ناول لکھے اور افسانہ نگاری میں بھی نذر سجاد حیدر، عباسی بیگم، صغرا ہمایوں اور خاتون اکرم نے ان کے طرزِ تحریر سے متاثر ہو کر افسانے لکھے۔

صادق الخیری نے بعض فنّی کمزوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے خاتونِ اکرم کی افسانہ نگاری کے متعلق لکھا:

''خاتون اکرم کے افسانے.... جو ۱۹۱۷ء اور ۱۹۲۴ء کے درمیان لکھے گئے ان میں ہمیں پہلی بار 'مختصر افسانے' کی زیادہ تر خصوصیات اور ضروریات ملتی ہیں جو اس سے پیشتر کسی عورت کے قصے کہانیوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں تھیں۔ لہٰذا عورتوں میں سب سے پہلے فسانہ لکھنے کا سہرا خاتون اکرم کے سر ہے۔''(۱۹)

اور ڈاکٹر مسعود رضا خاکی نے ان کے افسانوں کے مطالعہ کے بعد لکھا کہ:

''خاتون اکرم کے افسانوں کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے کردار کو پیش کرتے ہوئے اپنے ذاتی تاثرات کو افسانہ میں داخل نہیں کرتیں بلکہ کردار کی سیرت کی مخصوص جھلک دکھا کر اس کی سیرت پر قاری کو خیال انگیزی کے لیے مجبور کر دیتی ہیں۔''(۲۰)

بحیثیت مضمون نویس

اردو میں سر سید احمد خان کو حامد حسن قادری (۲۱)، ڈاکٹر سید عبداللہ (۲۲) اور رفیع الدین ہاشمی (۲۳) نے اردو مضمون نگاری کا موجد قرار دیا ہے لیکن خواتین میں اس کی داغ بیل محمدی بیگم، عباسی بیگم، نذر سجاد حیدر، رابعہ سلطان، مسز خدیو جنگ، خجستہ اختر سہروردیہ، عطیہ بیگم فیضی، زہرہ بیگم فیضی نے ڈالی۔ جس کا سہرا اس زمانے کے رسائل کے سر ہے جس کا مقصد اس میدان میں ان کی تربیت اور اصلاح تھا۔ ابتدا میں خواتین کے مضامین کے موضوعات اصلاحی، مذہبی اور خانہ داری کی نوعیت کے تھے لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا ان کے مضامین کے موضوعات میں بھی وسعت آتی گئی۔ خاتون اکرم کا شمار ان مضمون نگار خواتین میں ہوتا ہے جن کے مضامین کی دنیا میں تنوع بھی ہے اور وسعت بھی۔

خاتون اکرم نے اپنا پہلا مضمون سترہ سال کی عمر میں لکھا۔ جو ''بھوت پریت کوئی شے نہیں'' کے عنوان سے ۷/ اپریل ۱۹۱۷ء کو رسالہ ''تہذیب نسواں'' میں شائع ہوا (۲۴) اور آخری مضمون جنوری ۱۹۲۴ء میں ''تغیراتِ زندگی'' کے نام سے ماہنامہ ''عصمت'' میں شائع ہوا۔ ان کے مضامین کی دنیا اگرچہ مختصر ہے پر اس میں موضوعاتی اعتبار سے بڑی وسعت ہے۔ جس پر حیاتِ انسانی کے گہرے مطالعہ، فطرت نسوانی کے جذبات و احساسات کی صحیح ترجمانی، زندگی کے تغیرات، فنا و بقا اور زمانے کے حادثات کی فضا چھائی ہے۔

بقول علامہ راشد الخیری:

''یہ مجموعۂ مضامین ثابت کر رہا ہے کہ مرحومہ کی نگاہ دوربین اس عمر میں بھی، کہ آغازِ شباب تھا، زندگی کے تمام مراحل طے کر رہی تھی۔۔۔ ان مضامین میں اکثر مقامات پر فلسفہ زندگی کو اس خوبی سے حل کیا ہے کہ بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے واقعات پر بحث، فطرت و حقیقت پر رائے زنی، مصنفہ مرحومہ نے ایسی اچھی طرح کی ہے کہ سبحان اللہ کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''(۲۵)

اس مجموعے کے مضامین جہاں ایک طرف حیاتِ انسانی کا گہرا مطالعہ، زندگی کے مختلف روّیوں، صنفِ نازک کے احساسات اور زمانے کے اتفاقات کو پیش کرتے ہیں تو دوسری جانب پند و نصائح اور اخلاقی مقاصد کے تابع ہیں۔ جن میں خاتون اکرم نے اپنے خیالات کو نہایت خوبی سے ترتیب دے کر بیان کی صداقت، زبان کی صحت، اسلوب کی تازگی، دلائل کی قوت اور تخیّلات کی برجستگی کو برتتے ہوئے اسے سادہ و سلیس زبان میں اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ اپنی نثری روانی کے سبب تکلف اور آورد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے محفوظ نظر آتے ہیں۔

خاتون اکرم کا مجموعۂ مضامین ''جمالِ ہمنشین'' پہلی مرتبہ دسمبر ۱۹۲۷ء میں اور تیسری بار جون ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا۔ جس میں ان کے بیس مضامین، ''فانی زندگی''، ''تغیرات زندگی''، ''نیرنگی زمانہ''، ''اجل''، ''عالم نزع''، ''عبرت گاہِ دنیا''، ''غم''، ''موسمِ بہار''، ''ساون آیا''، ''پھول''، ''رمضان''، ''عید''، ''زندوں کی زندہ ہستی''، ''مشعلِ ہدایت''، ''کسی کی یاد میں''، ''وعدہ وفائی''، ''ہنسی مذاق''، ''خوشی کا دن''، ''خدا کی مصلحت'' اور ''تعزیت نامہ'' شامل ہیں۔

''فانی زندگی'' اس مضمون میں فانی اور لافانی پر بحث کرتے ہوئے اس بات کو واضح کیا ہے کہ ہر شے کو ایک نہ ایک دن فنا ہو جانا ہے۔ جسے انھوں نے دنیا کے حالات سے مثالیں دے کر پیش کیا ہے:

> ''دریا کی روانی میں لہروں کو دیکھیے! کیسی زور و شور سے چلتی اور پھر غائب ہو جاتی ہیں، آبگینے اٹھتے اور مٹ جاتے ہیں۔ خودرو گھاس اگتی اور جل جاتی ہے۔ طوفان بڑے بڑے عالیشان درختوں کو گرا دیتے اور ان کی طاقت کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔ گرمیوں کی جلتی جھلستی، تپتی زمین کو ٹھنڈا کرنے کے لیے گھنگھور گھٹائیں اٹھتیں، خوشنما اودے اودے بادل آتے، مینہ برساتے اور پھر فنا ہو جاتے ہیں۔(۲۶)

آخر میں ان لوگوں سے مخاطب ہیں جو چار دن کی زندگی کو ہمیشہ رہنے والی زندگی سمجھ کر بسر کر رہے ہیں اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو بھول بیٹھے ہیں۔

''تغیّرات زندگی'' میں انسانی زندگی کے تغیرات کا بیان کرتے ہوئے ایک لڑکی کی پیدائش سے لے کر اس کے ساس بننے تک کے حالات کا ذکر حسرت بھرے لہجے میں کیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں جہاں لڑکے کی پیدائش پر خوشیاں منائی جاتی ہیں وہاں لڑکی کا جنم اداسی اور خاموشی کا سماں پیدا کر دیتا ہے اور وہ بارِ ناگوار بن کر پرورش پاتی ہے۔ مضمون کے آخر میں لڑکیوں کو صبر و شکر اور ہمت و استقلال کی نصیحت کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ''جس طرح زمانہ کو چین اور موسموں کو قرار نہیں، جاڑے سے گرمی، گرمی سے برسات، مفلسی سے امیری، امیری سے فقیری ہے اسی طرح عورت کی زندگی میں بھی مختلف تغیرات ہوتے ہیں۔ وقت یکساں نہیں رہتا، اس لیے ذرا سی تکلیف میں پریشان ہونا، مصیبت سے فوراً ہی گھبرانا، اذیت سے اکتانا، کم ہمتی کی دلیل ہے۔۔۔۔ خوشی کے بعد غم اور کلفت کے بعد راحت خدا ضرور دیتا ہے۔''(۲۷)

''نیرنگیٔ زمانہ'' میں امین الرشید، شاہجہان، نپولین اور سلطان عبدالحمید خان کی زندگی کے واقعات کو پیش کر کے انسانی زندگی کے مدوّ جزر کو دکھایا گیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی حالت کو مستقل سمجھ کر نہ کبھی اس پر گھمنڈ کرے نہ ہی مغرور ہو اور جب عروج حاصل ہو تو اسے فانی سمجھے کیونکہ ہر عروج کو ایک نہ ایک دن زوال ہے اور جو دنیا کی حقیقت ہے اس کو بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ''اس دنیا کم بخت نے تو نہ کسی کا ساتھ دیا ہے نہ دے سکتی ہے نہ دے گی۔ یہ ہمیشہ سے ایسے ہی لیل و نہار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دکھانے کی عادی رہی ہے، دکھا رہی ہے اور دکھاتی رہے گی۔'' (۲۸)

''اجل'' اس مضمون میں موت کی ستم ظریفی اور اس کی حقیقت کو بیان کیا ہے، جس سے آج تک نہ کوئی بچا ہے اور نہ بچ سکے گا۔ کیا بچّے، کیا جوان، کیا ایک دن کی بیاہی، کیا ننّھے بچوں کے سروں کا سایہ ان سب کو ایک دن اس کا شکار ہونا ہے۔ لہٰذا زندگی ایسی گزارو جو مثالی ہو۔

''عالم نزع'' میں بچّوں، ضعیفوں اور جوانوں کے وقتِ نزع کے لمحات کو بیان کرتے ہوئے اس وقت ان کی گزری ہوئی زندگی کے ارمان، آرزوؤں اور خواہشات کا ذکر بڑے ہی درد انگیز پیرائے میں کیا ہے:

> ''ایک بدقسمت انسان ایک ناامید ہستی اب اس قابل نہیں جو تمھیں اپنے پاس رکھ سکے۔ اے ارمان و تمنّا، آرزو، وامید خواہشِ تکمیل، جاؤ جاؤ، سب مجھ سے رخصت ہو جاؤ۔'' (۲۹)

''عبرت گاہِ دنیا'' میں انسان کی آخری آرام گاہ کا منظر پیش کرتے ہوئے وہاں مدفون مختلف حیثیتوں کے لوگوں کی زندگی کا حال بیان کرتے ہوئے اچھے کاموں کی تلقین کی ہے:

> ''بدقسمت ہوں میں اور مجھ جیسے بے فکرے لوگ کہ چار دن کی زندگی پر پھولے بیٹھے ہیں۔ نہ عاقبت کی فکر نہ دنیا کا خیال، کوئی کام ایسا نہ کیا کہ بعد مرنے کے کوئی نیکی کے ساتھ یاد کرے حالانکہ ان ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں کے بسنے والے دن رات ہم کو بیش بہا سبق دے رہے ہیں۔'' (۳۰)

''غم'' یہ مضمون ارشادِ ربّی، انّ مع العسر یسرا یعنی دکھ کے بعد مسرّت کی تفسیر ہے، جس میں فلسفۂ غم کو بیان کرتے ہوئے خاتون اکرم لکھتی ہیں:

> ''اس میں شک نہیں کہ غم خرمنِ عشق کے لیے بجلی، مسّرت کے لیے سخت مصیبت ہے، مگر غم نہ ہو تو انسان کو خوشی کی بھی قدر نہ ہو۔'' (۳۱)

''موسمِ بہار''، ''ساون آیا'' اور **''پھول''** یہ مضامین مختلف انداز میں حکمت خداوندی کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے غفلت میں سوئے انسانوں کو جگاتے ہیں۔ ان سے اگلے مضمون ''رمضان'' میں روزوں کی اہمیت، فرضیت اور فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر ''عید'' میں چاند دیکھنے کے احساسات کو بیان کیا ہے کہ بچّوں کی خوشی اور بڑے بوڑھوں کی سنجیدہ مسرت کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔ اس مضمون کا بنیادی مقصد دنیا کی بے ثباتی ہے:

> ''جس طرح دنیا کی تمام خوشیاں ناپائدار ہیں اسی طرح عید کو بھی قیام وثبات حاصل نہیں۔ انسان کو تھوڑی سی مسرت حاصل ہونے پر بے خود نہ ہو جانا چاہیے۔ بلکہ یہ خیال رکھنا چاہیے کہ عید کے بعد محرم بھی آنے والا ہے۔'' (۳۲)

''زندوں کی زندہ ہستی'' معروف ادیبہ زاہدہ خاتون شروانیہ، ''مشعلِ ہدایت'' اور ''کسی کی یاد'' محمدی بیگم کی خدمات اور یاد میں لکھے گئے ہیں۔ ''وعدہ وفائی'' میں بڑے بوڑھوں اور والدین کو نصیحت کی گئی ہے کہ ہم بے خیالی میں بچوں سے جھوٹے وعدے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر لیتے ہیں۔ جب ان کا ایفا نہیں ہوتا تو بچّوں کو بھی جھوٹ بولنے کی رغبت ہوتی ہے۔ **''ہنسی مذاق''** میں آپ ﷺ کی زندگی مبارک سے مثالیں دے کر ہنسی مذاق کو زندگی کے لیے ضروری قرار دیا ہے لیکن کثرتِ مذاق کو نہایت مذموم بتایا گیا ہے۔

''خوشی کا دن'' عید میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے ہے جس میں اس دن کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ **''خدا کی مصلحت''** میں آدمی کو خوشی اور غم میں صابر وشاکر رہنے کی ہدایت کی ہے:

> ''چونکہ ہر کام میں خدا مصلحت پوشیدہ رکھتا ہے اس لیے ہمیں اس کا حق نہیں کہ مصیبتوں اور تکلیفوں پر زبانِ شکایت کھولیں بلکہ ہمیں چاہیے کہ خدا کا شکر کریں اور خدا تعالیٰ کی مصلحت کے خیال سے اپنے دل میں ہر وقت تسلی دیں، تکلیف کو صبر سے برداشت کریں۔''(۳۳)

مجموعے کا آخری مضمون **''تعزیت نامہ''** ہے، جس میں ایک ماں کو اس کی جوان بیٹی کی موت پر صبر کی تلقین کی گئی ہے، اور آخر میں ہمیں یہ نصیحت کہ:

> ''جب تم مرو، سب تمہاری موت پر اصلی آنسو بہائیں۔ لوگ تمہیں نیکی اور پاک طینتی کا نمونہ سمجھیں۔ اور پھر تمہاری زندگی دوسروں کے لیے دستور العمل ہو اور ہر شخص تمہیں مرنے پر جنّتی سمجھے۔''(۳۴)

خاتون اکرم کے ان مضامین کو جب ہم مولوی سید امیر حسین کی پیش کردہ انشائیہ کی تعریف کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو وہ ان کی مثال معلوم ہوتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''انشاء پردازی یا مضمون نگاری علم وادب کا ایک غیر معمولی جز اور خاص فن ہے۔ اسی فن کے ذریعے انسان اپنی علمی وادبی، تمدنی ومعاشرتی، مذہبی وتاریخی اور ہر قسم کی معلومات کو دوسروں تک پہنچا سکتا ہے اگر انسان کو لکھنے کا اچھا سلیقہ ہو تو وہ اپنے خیالات کو ایسے موثر انداز میں پیش کر سکتا ہے کہ جس سے پڑھنے والوں کے دل متاثر ہو جائیں اور یہی لکھنے والے کی کامیابی کا ثبوت ہے۔''(۳۵)

خاتون اکرم کے یہ مضامین انشائیے کی بنیادی وصف اختصار پر بھی پورے اترتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اسّی (۸۰) صفحات کی اس کتاب میں بیس مضامین شامل ہیں۔ جو اسلوب کی تازگی، خیالات کی پختگی اور انفرادی نقطۂ نظر کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے جب ''اردو کا بہترین انشائی ادب'' مرتب کیا جو مکتبہ میری لائبریری، لاہور سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا تو اس میں خاتون اکرم کا مضمون ''ساون'' کو بھی شامل کیا جس سے ان کے انشائیوں کی فنّی پختگی کا اظہار ہوتا ہے۔

خاتون اکرم کے ان مضامین کا اسلوب بیان سادہ اور عام فہم ہے۔ جسے انھوں نے اشعار کے برمحل استعمال سے دلکش اور رنگین بنا دیا ہے۔ جیسے ''فانی زندگی'' کا اختتام اس شعر سے کر کے پورے مضمون کا حاصل یوں بیان کر دیا ہے:

فنا ہے سب کو دنیا میں رہے گا اور کیا باقی
جو باقی ہے وہ باقی ہے، نہیں اس کے سوا باقی (۳۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''عبرت گاہِ دنیا'' کا ابتدائیہ ہی شعر سے کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

ملا ہے خاک میں کس کس طرح کا عالم یاں
نکل کے شہر سے تو سیر کر مزاروں کی (۳۷)

ایک جگہ لکھتی ہیں:

''اے غفلت کی نیند سونے والو! خوابِ غفلت سے چونکو، میری زندگی سے عبرت اور نصیحت حاصل کرو۔ دیکھو میں تمہارے ہی فائدے پہنچانے میں مصروف رہا، بڑے تعجب کی بات اور افسوس کا مقام ہوگا اگر تم انسان ہو کر اپنے ہم جنسوں کو فائدہ نہ پہنچاؤ۔'' (۳۸)

کسی بھی لکھنے والے کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہوتی ہے کہ وہ ابتدا ہی سے قاری کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے لے۔ اس سلسلے میں پہلا ضروری کام کسی مضمون یا تحریر کی سرخی جمانے کا فن ہوتا ہے۔ خاتون اکرم کے مضامین کی نہ صرف بیشتر سرخیاں مثلاً: اجل، زندوں کی زندہ ہستی، عالم نزع، جاذبیت کی حامل ہیں بلکہ وہ اپنے مضمون کی تمہید ہی سے قاری کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں۔ مضمون کے آغاز میں وہ ایک داستان گو کا روپ دھار کر دھیرے دھیرے کہانی کا آغاز کرتی ہیں:

''آج انتیسواں روزہ اور شام کا وقت ہے۔ مسلمانوں کی نظریں بے ساختہ آسمان کی طرف اٹھی ہوئی ہیں۔ سب چاند کے منتظر کھڑے ہیں۔'' (۳۹)

''آج سے تیئیس سال قبل گو نظامِ عالم اپنی اسی چال پر تھا جیسا کہ آج ہے مگر ہم پر سیاہ ظلمات سی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ اندھیرا غضب کا تھا، آنکھیں روشن تھیں۔ مگر سجھائی نہ دیتا تھا۔'' (۴۰)

''تین نومبر ۲۰ء کو میں دن بھر سیتی رہی چونکہ بیٹھے بیٹھے تھک گئی اور شام کو کچھ تھکن محسوس ہونے لگی۔'' (۴۱)

خاتون اکرم اپنے موٴقف کی تائید میں قرآن، سیرتِ طیّبہ اور تاریخ سے مثالیں پیش کر کے قاری کو اپنی بات تسلیم کروانے میں بڑی حد تک کامیاب رہی ہیں۔ اسلوب کی یہ بھی ایک خاصیت ہے جس سے موضوع کی مقصدیت اور اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ مثلاً:

''امین الرشید کی حالت پر نگاہ کرو۔ زبیدہ خاتون کا لختِ جگر، ہارون الرشید کا نورِ بصر، بادشاہ ہونے پر کیسی بیدردی سے ذبح کیا گیا۔ کسی نے بھی اس کی نازک اندامی پر ترس نہ کھایا۔ کسی کو اس کی حالتِ زار پر رحم نہ آیا۔ اور دنیاوی دولت وحشمت کچھ کام نہ آسکی۔ **فاعتبرو یا اولی الابصار** (پس عبرت پکڑو تم اے آنکھوں والو)۔'' (۴۲)

اسی طرح یہ مثال ملاحظہ کیجیے:

''ایک عورت نے اپنے شوہر کے بابت رسول اللہ ﷺ سے کچھ کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: 'تیرا شوہر وہی ہے نا جس کی آنکھ میں سفیدی ہے۔' عورت نے کہا: 'یا رسول اللہ ﷺ! میرے شوہر کی آنکھ تو سفید نہیں۔'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمایا: 'ایسا کون ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے۔' عورت نے کہا: 'یا رسول اللہ ﷺ! میرے شوہر کی آنکھ تو سفید نہیں۔' فرمایا: 'ایسا کون ہے جس کی آنکھ میں سفیدی نہ ہو۔' (۴۳)

ان مضامین میں سادگی و سلاست اور مرصّع سازی کی شان نظر آتی ہے۔ خاتونِ اکرم نے مشکل اور غیر مانوس الفاظ و تراکیب سے اپنی تحریر کو بوجھل پن سے محفوظ رکھا ہے۔ اور نہ ہی کہیں غیر ضروری طور پر شوکتِ الفاظ کا مظاہرہ کیا ہے۔ البتہ صحتِ زبان کا خاص خیال رکھا ہے۔ ان کے ہاں جذبے کی صداقت اور مقصدیت کا خلوص وافر مقدار میں موجود ہے۔ اس لیے وہ اعتماد و یقین کے ساتھ اپنے احساسات اور جذبات کی ایک خاص کیفیت سے سرشار نظر آتی ہیں۔ ان کا یہی جذبہ انھیں اپنے ہر مضمون، چاہے وہ ''عید'' ہو، ''ساون'' ہو یا پھر ''عبرت گاہِ دنیا''، کا اختتام اصلاح پسندی پر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ جس سے ایک طرف مضامین میں یکسانیت دکھائی دیتی ہے تو دوسری طرف ایک خاص قسم کی تاثیر، دلکشی اور جاذبیت۔ خاص طور پر ان مقامات پر جہاں وہ جذبات اور قلبی کیفیات کا اظہار کرتی ہیں وہاں ان کے بیان میں شعریت و ادبیت کا حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ مندرجہ بالا گفتگو کے حوالے سے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

> ''ایک وہ وقت ہوتا ہے کہ باغوں میں پودے لہلہاتے، رنگ برنگ کے خوبصورت پھول اپنی بہار دکھاتے ہٖقسم قسم کی خوشبوئیں دیتے ہیں۔ ان کی سرسبزی و شادابی، سرخی و شگفتگی قابل دید ہوتی ہے۔ بلبل کا نغمہ، قمری کا ترانہ، بھونرے کا چکر لگانا، شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ، کوئل کی 'کوکو'، پپیہے کی 'پی کہاں'، سب چیز موجود ہے۔ لیکن دوسرے وقت جا کر پھر اسی کو ملاحظہ کیجیے تو پودے سوکھے مرجھائے ہوئے، پتّیاں جھڑی ہوئیں، سبزی غائب، پھول پتّے پرندے ندارد، آہ! یہ سب کیا ہوئے؟ کہاں گئے؟ سب فنا!'' (۴۴)

> ''انسان کو کبھی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، تو کبھی تکلیفوں کا شکار، کبھی خوشیوں میں محو ہوتا ہے، تو کبھی غموں میں گرفتار کبھی امیری میں مغرور ہوتا ہے، تو کبھی غریبی میں مبتلا غرض حسرت و افسوس، ناکامی و مایوسی، رنج و غم، فکر و پریشانی، سب کا مقابلہ کرتا، اور خوشی و مسرت، دولت و ثروت، جاہ و حشمت، عزت و حکومت، سب کا مزہ چکھتا ہے۔'' (۴۵)

> ''لبوں پر جان ہے، کوئی دم کی مہمان ہے، لیکن دنیا اور اس کی محبت، ارمان و آرزوئیں اور ان کے پوری ہونے کی امیدیں اسے بری طرح ستا رہی ہیں۔ یہ کسی پہلو اسے چین نہیں لینے دیتیں۔'' (۴۶)

> ''اسی طرح آفتاب نکلتا، ماہتاب دمکتا، تارے چمکتے اور چاندنی نکلتی ہے۔ اسی طرح کلیاں چٹکتی ہیں، پھول کھلتے ہیں، نسیمِ سحری چلتی ہے۔ ہاں اسی طرح بلبل ترانہ گاتی ہے، قمری نغمہ سناتی ہے، پرندے چہکتے ہیں، ہاں دریا کی موجوں اور موجوں میں وہی اٹھکھیلیاں ہیں۔ ہاں بہار اور بہار کے سبزہ زار میں وہی لطف ہے، لیکن غمگین دل پژمردہ دل کسی عزیز یا دوست کی ابدی اور ناقابل تلافی جدائی میں تڑپنے والا دل، کسی سے محظوظ نہیں ہو سکتا۔'' (۴۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''یہ ایسا مقام ایسی جگہ اور ایسا شہر ہے کہ یہاں آ کر سب ایک سے اور ایک حالت میں ہو جاتے ہیں۔ وہی مٹّی کا بستر اور خاک کا دوشالہ سب کو میسر ہے، نہ مراتب کا فرق ہے نہ عہدہ کا خیال۔ حالانکہ ان میں زردار بھی ہیں نادار بھی، کچھ ساقی و پیمانہ کے عاشق، تو کچھ تسبیح و وظائف کے مشتاق، کچھ طفل ہیں نادان، تو جوان ہیں رعنا۔''(۴۸)

''جس طرح دنیا کی تمام خوشیاں ناپائدار ہیں اسی طرح عید کو بھی قیام و ثبات حاصل نہیں، انسان کو تھوڑی سی مسرت حاصل ہونے پر بےخود نہ ہو جانا چاہیے۔ بلکہ یہ خیال رکھنا چاہیے کہ عید کے بعد محرم بھی آنے والا ہے۔ اس جہاں میں شادی و غم کا ازل تو ام ہے۔ ہر چیز میں اعتدال سے کام لینا عقلمندوں کا شیوہ ہے، خواہ وہ خوشی ہو خواہ رنج۔''(۴۹)

''محمدی بیگم! تو ہماری خاکی نظروں سے پوشیدہ اور ہمارے جسمانی ہاتھوں سے دور ہے۔ اس لیے ہم تجھ کو دیکھ اور چھو نہیں سکتے، مگر تیرا نام ہماری زبانوں پر اور تیرے کام ہمارے دل میں محفوظ ہیں۔''(۵۰)

الغرض یہ مضامین سیدہ جعفر کے اس بیان کی عکاسی کرتے ہیں:

''ایسے'' کسی خاص موضوع کے بارے میں لکھنے والے کے خیالات اور جذبات کے ردعمل کا پرتو ہوتا ہے۔ جس میں بیک وقت فکر انگیزی، خیال کی رعنائی، تاثرات کی دلفریب ترجمانی، اسلوب کا نکھار اور تصور کی لطافت۔ سب ہی عناصر سموئے ہوئے ملتے ہیں۔ مضمون ہمارے ذہن کو ایک خاص ذوق آگاہی بخشتا ہے اور ہمارے جذبات میں ایک انبساط پرور تازگی اور توانائی پیدا کرتا ہے۔''(۵۱)

خلاصۂ بحث کے طور پر یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ اتنی باصلاحیت ادیبہ، جس کی صلاحیتوں کا اعتراف منشی پریم چند، سید سجاد حیدر یلدرم، علامہ راشد الخیری اور عزیز لکھنوی جیسے مشاہیر ادب نے برملا کیا ہو، اسے اردو کے نسوانی ادب میں وہ مقام نہیں دیا گیا جس کی وہ بجا طور پر حق دار تھیں یہ ایسا سہو ہے جس کی تلافی ہونا ضروری ہے۔

حوالہ جات

۱۔رازق الخیری، ماہنامہ ''عصمت''، (سوانح عمری علامہ راشد الخیری)، کراچی، جولائی۔اگست ۱۹۶۴ء، ص ۱۸۷۔۱۸۸

۲۔راشد الخیری، علامہ ''وداع خاتون''، عصمت بک ڈپو، کراچی، ساتویں مرتبہ، مارچ ۱۹۵۶ء، ص ۱۲

۳۔رازق الخیری، ماہنامہ ''عصمت''، (سوانح عمری علامہ راشد الخیری)، کراچی، جولائی۔اگست ۱۹۶۴ء، ص ۱۹۱

۴۔عزیز لکھنوی ''خاتون اکرم'' (نظم)، خاتون اکرم ''جمال ہم نشین''، دفتر عصمت، دہلی، بار سوم، جون ۱۹۲۹ء، ص ۸

۵۔رازق الخیری، ماہنامہ ''عصمت''، (سوانح عمری علامہ راشد الخیری)، کراچی، جولائی۔اگست ۱۹۶۴ء، ص ۱۹۰

۶۔ایضاً، ص ۱۸۷

۷۔علامہ راشد الخیری ''دیباچہ''، خاتون اکرم ''جمال ہم نشین''، دفتر عصمت، دہلی، بار سوم، جون ۱۹۲۹ء، ص ۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸۔ منشی پریم چند،''گلستان خاتون کے متعلق رائیں''، خاتون اکرم،''گلستان خاتون''، دفتر عصمت، دہلی، بار سوم، اگست ۱۹۴۰ء، ص۱۱۴

۹۔ رازق الخیری،''محترمہ خاتون اکرم صاحبہ مرحومہ''، ماہنامہ''عصمت''، دہلی، نومبر۔ دسمبر ۱۹۲۴ء، ص۲۲

۱۰۔ خاتون اکرم،''گلستان خاتون''، دفتر عصمت، دہلی، بار سوم، اگست ۱۹۴۰ء، ص۲۵

۱۱۔ ایضاً، ص۳۰

۱۲۔ ایضاً، ص۳۱

۱۳۔ خاتونِ اکرم،''بچھڑی بیٹی''، عصمت بک ڈپو، کراچی، سن ندارد، ص۸

۱۴۔ گلستان خاتون، محوّلہ بالا، ص۲۳

۱۵۔ ایضاً، ص۲۷

۱۶۔ ایضاً، ص۱۰۶

۱۷۔ خاتونِ اکرم،''پیکر وفا''، عصمت بک ڈپو، کراچی، بار ششم، ۱۹۵۶ء، ص۳۲

۱۸۔ گلستان خاتون، محوّلہ بالا، ص۷۵

۱۹۔ صادق الخیری،''خاتونِ اکرم''، ماہنامہ، ساقی، دہلی، نومبر ۱۹۳۸ء، ص۶

۲۰۔ ڈاکٹر مسعود رضا خاکی،''اردو افسانے کا ارتقاء''، مکتبہ خیال، لاہور، پہلی بار، اگست ۱۹۸۷ء، ص۲۵۷

۲۱۔ قادری، حامد حسن،''داستان تاریخ اردو''، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، بار سوم، ۱۹۶۶ء، ص۳۴۸

۲۲۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید،''سر سید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء کی اردو نثر کا فکری اور فنی جائزہ''، مکتبہ کاروان، لاہور، ۱۹۶۰ء، ص۴۲

۲۳۔ ہاشمی، رفیع الدین،''اصناف ادب''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص۱۴۸

۲۴۔ رازق الخیری،''محترمہ خاتون اکرم صاحبہ مرحومہ''، ماہنامہ''عصمت''، دہلی، نومبر۔ دسمبر ۱۹۲۴ء، ص۱۸

۲۵۔ علامہ راشد الخیری،''دیباچہ''، خاتون اکرم،''جمال ہم نشین''، دفتر عصمت، دہلی، بار سوم، جون ۱۹۲۹ء، ص۴۔۵

۲۶۔ خاتون اکرم،''جمال ہم نشین''، دفتر عصمت، دہلی، بار سوم، جون ۱۹۲۹ء، ص۱۰

۲۷۔ ایضاً، ص۱۶ ۲۸۔ ایضاً، ص۲۰ ۲۹۔ ایضاً، ص۲۶ ۳۰۔ ایضاً، ص۳۲

۳۱۔ ایضاً، ص۳۳ ۳۲۔ ایضاً، ص۵۲ ۳۳۔ ایضاً، ص۲۷ ۳۴۔ ایضاً، ص۸۰

۳۵۔ اردو میں انشائیہ نگاری، محولہ بالا، ص۵ ۳۶۔ جمالِ ہم نشیں، محولہ بالا، ص۱۲

۳۷۔ ایضاً، ص۲۰ ۳۸۔ ایضاً، ص۴۶ ۳۹۔ ایضاً، ص۵۱ ۴۰۔ ایضاً، ص۵۷

۴۱۔ ایضاً، ص۵۹ ۴۲۔ ایضاً، ص۱۸ ۴۳۔ ایضاً، ص۶۷ ۴۴۔ ایضاً، ص۱۰

۴۵۔ ایضاً، ص۱۳ ۴۶۔ ایضاً، ص۲۵ ۴۷۔ ایضاً، ص۵۴ ۴۸۔ ایضاً، ص۲۸

۴۹۔ ایضاً، ص۵۳ ۵۰۔ ایضاً، ص۵۸

۵۱۔ ڈاکٹر سیّدہ جعفر،''اردو مضمون کا ارتقا (۱۹۵۰ء تک)''، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، مچھلی کمان، حیدر آباد، ۱۹۷۲ء، ص۳

© rasailojaraid.com